© rasailojaraid.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ہمارے مارکسی مؤرخین

(۱)

ڈاکٹر جمال محمد صدیقی، لکچرر شعبہ تاریخ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی۔

یوں تو ہر دور اور ہر زمانہ میں تاریخ نویسی کسی نہ کسی تعصب کا شکار رہی ہے، لیکن جب سے تاریخ کا مطالعہ مارکسی نقطہ نظر سے کیا جانے لگا ہے، ایک دوسری ہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ مارکسی مورخین زیادہ تر تاریخ کے معاشی اور زرعی پہلوؤں کی تحقیق پر زور دیتے رہے۔ تاکہ تمام انسانی سماج کی تاریخ کو طبقاتی کشمکش کی تاریخ[1] سے تعبیر کرنے میں آسانی ہو۔ مگر جب سے سیاسی، مذہبی اور ثقافتی تاریخ کی تشریح بھی اس درآمد شدہ نظریہ کی روشنی میں شروع کی گئی ہے۔ ایک انتہائی مایوس کن صورت حال سامنے آگئی ہے۔ مارکسی مورخین کے اس مایوس کن تاریخ نویسی کے جائزہ کی ابتدا ہم پروفیسر عرفان حبیب (جو مارکسی نظریات رکھتے ہیں) کے ایک مقالہ سے کرتے ہیں، جس میں انہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی افکار و کردار سے بحث کی ہے[2]

---

[1] ظفر امام۔ مارکسزم ایک مطالعہ۔ صفحہ ۲۰ دہلی ۱۹۶۱ء

[2] عرفان حبیب THE POLITICOL ROLE OF SHAIKH AHMAD SIRHINDI AND SHAH WALIULLAH PROCEEDING OF GNDIAN HISTORY CONGREN ALIGARH PART. L 1960 P.P 209 - 25

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم سردست اس مضمون میں صرف حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں پروفیسر موصوف اور ان کے ہم نواؤں کے خیالات کا تجزیہ کریں گے۔ [1]

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتدا اس طرح کرتے ہیں، اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے عہد مغلیہ کے دو صوفیوں شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر غیر معمولی توجہ مرکوز کی ہے۔ اقبال نے اپنے ایک شعر میں شیخ کو ہند میں "سرمایۂ ملت کا نگہبان" قرار دیا ہے۔ ایک ہندوستانی عالم پاکستان کی سرکاری تاریخ FREE-DOM MOVEMENT OF PAKISTAN کے ایک باب میں لکھتے ہوئے یہ اظہار کرتا ہے۔ کہ شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کے لئے ایک مثالی ملک قائم کرنے کے لئے کام کیا تھا [2]۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ سترھویں اور اٹھارہویں صدی کی اہم واقعاتی تبدیلیوں میں ان دونوں صوفیوں کا ایک فیصلہ کن کردار ثابت کیا جائے۔ شیخ احمد کی تصویر کشی اس شخص کی طرح کی گئی ہے۔ جس نے جہانگیر کو اکبر کی اسلام دشمن پالیسیوں سے منحرف کر دیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ میں اسلام کا تحفظ کیا۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان کے افکار نے اورنگزیب کی مذہبی پالیسی کو بھی متاثر کیا [3]۔

پروفیسر موصوف اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں، چونکہ فی زمانہ غالباً صرف فرقہ وارانہ عصبیت ہی کی بنیاد پر کسی کو آسانی سے تاریخ میں کوئی بلند مقام عطا نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں سے بے شمار دیگر اوصاف منسوب کئے گئے ہیں [4]۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر آر۔ پی ترپاٹھی شیخ احمد کو اکبر کے خلاف

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے متعلق پروفیسر عرفان حبیب کے مطالعہ کا جائزہ آئندہ پیش کیا جائیگا۔

[2] یہ حوالہ جو نامکمل اور غلط تشریح کے ساتھ ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی کے مضمون سے متعلق ہے۔ پروفیسر نظامی نے یہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب ایک ایسے ملک کو مسلمانوں کے لئے مثالی سمجھتے تھے جس میں خلافت راشدہ کے نظام کی روح کارفرما ہو۔ [3] PICH ۱۹۷۰ صفحہ ۲۰۹

[4] ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی احیاء مذہب کی تحریک کا رہنما بتاتے ہیں اور اس عظیم اثر کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ جو اس تحریک نے جہانگیر کی پالیسیوں پر ڈالا تھا[1] شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا اعتراف کرنے والوں کے مختلف حوالے اور تاثرات قلمبند کرنے کے بعد، پروفیسر موصوف اپنی حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "اسلامی مکتب خیال کے مورخوں نے تو شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ کو اپنا محبوب ہیرو بنا ہی لیا ہے (لیکن) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مورخ بھی جو بصورت دیگر ہمیشہ معروضی اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے تاریخ کے مطالعہ کی حمایت کرتے ہیں اس نظریہ سے متفق ہو رہے ہیں[2]"۔

اپنا مقالہ لکھنے کی وجہ بتاتے ہوئے پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ حقیقت کہ اس پایہ کے مورخین اس قسم کے خیالات کا اظہار کریں۔ ذہن کو اس طرف منتقل کرتا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ اُن شواہد کی چھان بین کی جائے جن پر ان دونوں صوفیوں کے افکار اور کارناموں کی یہ ساری تشریح مبنی ہے۔ شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کی تحریروں اور دیگر متعلقہ تاریخی شواہد کے مطالعہ کے بعد اس مصنف کا عقیدہ ہے کہ دونوں صوفیوں کے کردار کا تاریخ میں صحیح مقام متعین کرنے کے لئے از سر نو جائزہ ضروری ہے۔[3]"

اس سلسلے میں اگر پروفیسر سید نورالحسن (جن کا شمار موجودہ زمانے میں ہندوستان کے قرون وسطیٰ کے اسلامی مکتب خیال کے مورخوں میں نہیں ہوتا) کے خیالات یہاں پیش

---

[1] ۱۹۶۰ء ص ۳۰۰ [2] ایضاً، گویا صرف وہی معروضی تاریخ لکھ سکتا ہے جو ان کے مارکسی نظریات کے تحت مذہب کے اثرات سے انکار کردے اگر ڈاکٹر تریاٹھی اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی گمراہ ہیں۔

[3] ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کئے جائیں تو بے محل نہ ہوگا۔ شیخ احمد سرہندی کے متعلق وہ اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں
وہ شیخ احمد سرہندی اپنے دور کے عظیم مذہبی رہنماؤں میں سے تھے۔ ان کے معتقدین میں بعض
اہم امراء اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی۔ ان کو اس طاقتور رجحان کا نمائندہ
سمجھا جاسکتا ہے۔ جو عہد اکبری میں منظر عام پر آیا یہ رجحان مسلمانوں کے ردعمل کا نتیجہ تھا
جو سترھویں صدی میں مستحکم تھا۔[1]

پروفیسر عرفان حبیب اپنے مقالہ کی ابتدا ہی نظریاتی اختلاف سے کرتے ہیں
حالانکہ اس نظریاتی اختلاف کی کوئی گنجائش اس مسئلہ میں پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ شیخ احمد سرہندی
کے سیاسی کردار اور اثرات کو تسلیم کرنے والوں کی فہرست میں ڈاکٹر آر۔ پی۔ ترپاٹھی اور۔
پروفیسر نورالحسن ایسے مکتب خیال کے مورخوں کا بھی نام ملتا ہے۔ جن کے تجزیہ سے پروفیسر
عرفان حبیب نہ صرف متفق نہیں ہیں بلکہ اس کو غیر تاریخی، غیر معروضی اور غیر واقعاتی
بھی سمجھتے ہیں۔

پروفیسر موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی کی خوبی صرف فرقہ وارانہ تعصب
تھی۔ اور چونکہ یہ خوبی اب فرسودہ ہو چکی ہے۔ اس لئے ان کے مداحوں نے اور بہت
ساری خوبیاں وضع کر کے ان سے منسوب کر دی ہیں۔ جدید دور کی اس اصطلاح کا
اطلاق سترھویں صدی کے حالات پر سیاق و سباق کو سمجھے بغیر کرنا تاریخ کے ساتھ بے
انصافی ہے۔ جسے آج ہم فرقہ وارانہ تعصب سمجھتے ہیں۔ وہ عہد اکبری میں اکبر کی مذہبی پالیسی
کے خلاف ایک شدید ردعمل تھا۔ اور مسلمان ایک طرف خود ہندو بھی اکبر کی مذہبی پالیسی
سے متفق نہ تھے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ نے صاف صاف دین الٰہی کو قبول کرنے سے انکار
کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ فرقہ پرست کی مارکسی تشریح کی زد سے شاید ہی کوئی

---

[1] پروفیسر نورالحسن۔ شیخ احمد سرہندی اور مغل سیاست PIHC اناملائی نگر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچ سکے۔ جس نظریہ کا نصب العین ہی مذہب کے خلاف ایک شدید ہلاکتی مہم ہو سلہ اور جس نظریہ کے علمبردار مذہب کو ایک آلۂ استحصال تصور کرتے ہوں تہ۔ تو ایسی صورت میں فرقہ پرست" متعصب" "قدامت پسند" اور رجعت پسند وغیرہ اصطلاحات کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں "شیخ احمد اور شاہ ولی اللہ دونوں کے نظریات کا مطالعہ فطری طور پر ان کے دور کے پس منظر میں ہی کرنا چاہیے تلہ لہذا شیخ احمد سرہندی کے نظریات کا ابوالفضل سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے۔ وہ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شیخ احمد ابوالفضل کے پاس تھے کہ انہوں نے غزالی کے حوالہ سے یہ کہا کہ وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان دہ، ابوالفضل نے جوش میں جواب دیا کہ غزالی مہمل کہتا ہے۔ جس پر شیخ احمد اٹھ کر چلے گئے تلہ اصل واقعہ کو ادھورا نقل کرنے کے بعد پروفیسر موصوف اپنے خیال کا اظہار یوں کرتے ہیں۔" ابوالفضل اور اس کے ہمنوا جہاں جامد عصبیت کا پردہ چاک کر رہے تھے وہاں شیخ احمد ذہن کو تنگ ترین دینی فہم میں مقید کرنا چاہتے تھے اور وہ ہر اس چیز کو جو ان کے فہم سے بالاتر تھی یا جو شریعت سے جواب محض ایک پُر پیچ اور

لہ مذہب کے متعلق مارکسی نظریہ یہ ہے۔ پارٹی مذہبی نقطۂ نظر جو انسانی ضمیر کو پراگندہ کرتا ہے، عالم جمود میں اسے غرق کر دیتا ہے اور اس کی تخلیقی استعداد عمل اور پیش قدمیوں کو پابہ زنجیر کر دیتا ہے۔ کے خلاف ایک منظم نظریاتی جد وجہد کو اپنا قطعی فرض تصور کرتی ہے۔"

MARX AND ENGLES ON RELIGION
FOREIGN LONGUAGES PUBLISHING HOUSE MOSCOW
1957 P: ۲۷۳
KARL MARX AND FREDRICK ENGLES SELECTED WORKS ۲ۦ
PROGRESS PUBLISHERS MOSCOW 1970 P-38 بقیہ اگلے صفحہ پر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے لوچ تفصیلات کے علاوہ کچھ نہ رہ گئی تھی۔ مطابقت نہ رکھتی تھی مطعون کرتے تھے[1]

پروفیسر موصوف کی جارحانہ تاریخ نویسی کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اصل واقعہ کے پورے متن کا ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ تاکہ معاملہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہو سکے۔ یہ واقعہ زبدۃ المقامات میں محمد ہاشم کشمی نے اس طرح بیان کیا ہے: ابوالفضل کا ایک اور مصاحب مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہارے مرشد، ابوالفضل کی مجلس میں حاضر تھے۔ ابوالفضل نے فلسفیوں اور ان کے علوم کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا جس سے علمار دین کی توہین ہوتی تھی۔ حضرت شیخ جن کو اسلام سے بے پناہ محبت تھی وہ یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے فرمایا کہ امام غزالی اپنے رسالہ المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں کہ وہ تمام علوم جن کے ایجاد کا دعویٰ فلسفی کرتے ہیں مثلاً نجوم ہئیت، طب وغیرہ کام کے ہیں جن کو انہوں نے قدیم انبیار کی کتابوں اور ان کے کلام سے چرایا ہے۔ اور وہ علوم جو خود ان کی اپنی ایجاد ہے۔ مثلاً ریاضی وغیرہ، وہ دین کے کس کام آتے ہیں؟ ابوالفضل یہ سن کر جوش میں آگیا۔ اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول بات کہی ہے۔ یہ سن کر حضرت شیخ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور فوراً ابوالفضل کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا ذوق ہے تو اس طرح کے بے ادبی کے الفاظ سے پرہیز کیا کرو۔ یہ کہہ کر وہ مجلس سے باہر چلے گئے۔ اور پھر کئی روز تک ابوالفضل کے پاس نہیں گئے۔ حتیٰ کہ اس نے آدمی بھیج کر معذرت چاہی اور انہیں بلا بھیجا۔[2]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ کا۔ [1] PIHC ۱۹۶۰ صفحہ ۲۱ [2] ایضاً حاشیہ صفحہ ہذا [1] ایضاً

[2] زبدۃ المقامات، نول کشور لکھنؤ، ۱۸۹۰ صفحہ ۱۲۳ و صفحہ ۱۲۴ پروفیسر موصوف پورا ترجمہ پیش کرنے سے شاید اس لئے گریز کر گئے کہ یہ ثابت کرنے میں دقت ہوتی کہ ابوالفضل اور اس کے ہم نوا کسی جارحانہ عصبیت سے برسر پیکار تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر موصوف و آنچہ زادہ طبع ایشان است چوں ریاضی و امثال آنچہ بکار دین نمی آید[1]
سے یہ مفہوم " وہ تمام علوم جن کا ذکر پہلے سے قرآن میں نہیں ہے وہ یا تو بیکار ہیں یا نقصان
دہ "، سمجھنے میں کس طرح حق بجانب ہو سکتے ہیں۔ کتب انبیائے ماتقدم و کلام ایشان،[2]
سے مفہوم "صرف قرآن" ہی کس طرح سمجھا جا سکتا ہے ابوالفضل کا موازنہ دین کی فہم
کے سلسلے میں شیخ احمد سرہندی سے کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ اس نے مغلیہ عہد کے
زرعی اور معاشی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ
یقیناً چھوڑا ہے۔ لیکن مذہب کے دائرۂ عمل میں وہ خود ہی متضاد خیالات کا شکار
نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو وہ "صلح کل" کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور دوسری جانب راجہ
ٹوڈرمل کی بت پرستی کا مذاق بھی اڑاتا ہے[3]۔ ایک جانب وہ "تقلید" پر "عقل" کی فتح کا
علمبردار نظر آتا ہے۔ اور دوسری جانب فیضی کو بادشاہ کے ان احکام کو جو شرع محمدی
سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ نہ ماننے کی تبلیغ بھی کرتا ہے[4]۔

دراصل شیخ احمد سرہندی فلسفیوں کے ان تصورات کے مخالف تھے جن سے انبیاء
کے اقوال کی نفی ہوتی تھی۔ اور وہ قرآنی آیات کی ایسی تفسیر و تاویل کے خلاف تھے
جو مذہب اہل سنت کے خلاف ہو۔ جیسے عموماً یہ فلسفی پیش کرتے تھے[5]۔ پروفیسر موصوف
شیخ کے اس نظریہ کے اس پہلو کو جامد عصبیت اور تنگ ترین ذہنیت کے علاوہ اور کیا
کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی روشن خیالی اور ذہنی آزادی کے معیار پر تو اکبر اور ابوالفضل
بھی پورے نہیں اتر سکتے۔ موصوف شیخ احمد سرہندی سے قطع نظر شریعت ہی کو ایک جامد

---

[1] زبدۃ المقامات [2] ایضاً ، [3] ابوالفضل اکبر نامہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ
۱۸۸۶ء جلد ۳ صفحہ ۲۲۱ ابوالفضل کے متعلق پروفیسر موصوف کا کیا خیال ہے ؟
[4] رقعات ابوالفضل در مطبع علوی صفحہ ۷۳ دیکھئے صفحہ ۲۶ و صفحہ ۳۰ [5] مکتوبات امام ربانی
مجدد الف ثانی (اردو ترجمہ) تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۱۳ء جلد ۳ مکتوب ۱۰۱ بنام
شیخ عبداللہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عصبیت اور ایک پر پیچ اور بے لوچ مذہبی رسوم کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے موصوف کی تاریخ فہمی کی تو کم لیکن مارکسی عصبیت کی یقیناً شہادت ملتی ہے۔ جو ان کا مقصود اور مطلوب ہے۔

پروفیسر موصوف نے ہندوؤں کے متعلق شیخ احمد سرہندی کے نظریات کو اس انداز میں پیش کیا ہے جیسے ہندوؤں کے خلاف شیخ نے ایک ملامتی مہم شروع کر رکھی تھی[1] اس کی تائید میں صرف ان مکتوبات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس سے پروفیسر موصوف کے خود ساختہ نظریات کو تقویت پہونچتی ہے۔ لیکن شیخ کے وہ مکتوبات جن سے مذہبی رواداری کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ اسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں شیخ کے صرف دو خطوط کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنا چاہیئے اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی عقائد کی۔ قرآنی آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کا یہی مفہوم ہے[2]۔ ایک دوسرے خط میں ملا مقصود علی تبریزی کو مشرکوں کی نجاست کے بارے میں لکھتے ہیں "آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں۔ اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں۔ اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں۔ اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں[3]

فرائڈ مان شیخ احمد سرہندی کے نظریہ کے اس پہلو کا سائنٹفک تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کے نشو و نما سے متعلق نہیں ہیں

---

[1] HC P. ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱۱ [2] مکتوبات جلد اول (۲۰۴)، صفحہ ۱۱ بنام شیخ فرید۔

[3] مکتوبات جلد سوم ، (۲۲) صفحہ ۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ان کا تعلق اس سیاق و سباق سے ہے جس میں وہ لکھو رہے ہیں پروفیسر خلیق احمد نظامی، شیخ احمد سرہندی کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک یا دو موقعوں پر انہوں نے جو اظہار خیال کیا وہ تلخ اور غیر ضروری تھا۔ لیکن یہ ان کی تحریک کا گوہر مقصود نہیں تھا۔ درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہوا تھا۔ جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا ان کے رویہ میں بھی غیر معمولی تبدیلی واقع ہو گئی" [۱]

پروفیسر عرفان حبیب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جلد سوئم کے مکتوبات میں جو دوران، اسیری اور رہائی کے بعد لکھے گئے تھے۔ شیخ کا لب و لہجہ معقول اور نرم تھا۔ اور ان میں ہندوؤں اور شیعوں کو مطعون نہیں کیا گیا تھا [۲] مگر اس کی تاویل وہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ رہائی سے قبل، جہانگیر نے شیخ سے مناسب طرز عمل کا زبانی عہد و پیمان ضرور لیا ہوگا [۳] پروفیسر موصوف کا یہ خیال بکسر مفروضی ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے علم میں شیخ کا وہ خط ہے۔ جو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو رہائی کے بعد جہانگیر کے ساتھ قیام کے زمانہ میں لکھا تھا۔ اس سے رہائی کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں بادشاہ سے دینی امور اور شرعی تفصیلات کے متعلق بے تکلف اور برملا گفتگو ہوئی جسے بادشاہ نے بخوشی سنا [۴] شیخ کا یہ خط ۱۶۲۳ء میں جلد سوئم کے ساتھ شائع ہو چکا تھا۔ اور تزک جہانگیری کا سلسلہ تصنیف ۱۶۲۲ء

---

[۱] فرائڈ مان، شیخ احمد سرہندی، مک گل یونیورسٹی، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۱ء صفحہ ۱۵۔ [۲] NAGSHLONOLI IN FLUENCE ON MUGHAL RULERS AND POLITICS GOLAMIC CULTURE TAN 1965 P. 50 [۳] D. I. HC ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱۵ [۴] ایضاً۔ مکتوبات جلد سوم (۳۳م) صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک قائم رہا، لیکن جہانگیر نے اس خط کی کوئی تردید نہیں کی۔ جہانگیر نے تفصیل سے شیخ احمد سرہندی کی گرفتاری اور رہائی کا ذکر تزک جہانگیری میں حد درجہ بے ادبی سے کیا ہے [1] لیکن یہ کہ اس نے شیخ احمد سرہندی کو رہا کرنے سے قبل ان سے مناسب رویہ اختیار کرنے کا عہد و پیمان لیا ہو، اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

پروفیسر عرفان حبیب کا خیال ہے کہ شیخ احمد عوام کے قطعاً رہنما نہ تھے۔ ان کی نظریں بادشاہ اور اس کے امرا کی جانب لگی رہتی تھیں۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ شریعت کی تجدید اور حفاظت صرف بادشاہ ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں بادشاہ کو وہی مقام حاصل ہے جو قلب کو جسم میں۔ امراء کا یہ فرض ہے کہ وہ بادشاہ کو شریعت کی پیروی کرنے کا مشورہ دیں۔ (لہٰذا) یہ فطری امر تھا کہ وہ خود بادشاہ تک باریابی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے اور اس کے مصاحبین میں شامل ہوتے، تاکہ وہ شرعی حکومت کے مکمل قیام کے خیالی خواب میں معاون ہو سکیں۔ چنانچہ انہوں نے امراء کو بالخصوص شیخ فرید کو متعدد خطوط لکھے۔ لیکن انہوں نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار ہی ان کے مخاطب رہے [2]

عہد وسطیٰ کے دور شہنشاہیت میں بادشاہ اور اس کے امرا کو جو مرکزیت حاصل تھی اس کے پیش نظر شیخ احمد سرہندی کا بادشاہ اور اس کے امراء کو شریعت کی اہمیت کی جانب متوجہ کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس زمانہ میں سارے دینی تجربات کا مرکز دربار ہی ہوتا تھا اس بات کا کہ شیخ نے اپنے مقصد کی تکمیل میں کبھی دربار میں شرف باریابی حاصل کرنے یا بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہونے کی خواہش کی ہو کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اکبر سے شیخ احمد سرہندی کی کسی بھی ملاقات کا ذکر نہیں ملتا۔ اور جہانگیر سے بھی ملاقات

[1] تزک جہانگیری، سرسید ایڈیشن علی گڑھ ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۷۲ و صفحہ ۲۷۳ سنہ ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چودھویں سال جلوس میں اس طرح ہوئی کہ جہانگیر نے شیخ کو باز پرس کے لئے طلب کیا۔ شرف باریابی حاصل کرنے والا شخص دربار کے مقتدر امراء سے خط وکتابت کے درمیان بادشاہ وقت کی مذہبی پالیسیوں پر اس بے باکی سے تنقید نہیں کرسکتا تھا۔ اور جب اسے دربار شاہی میں طلب کیا گیا تو اس طرح پیش نہیں آسکتا تھا کہ جہانگیر یہ لکھنے پر مجبور ہو۔ "بغایت مغرور وخود پسند ظاہر شد"۔[۱] جہاں تک شرعی حکومت کے مکمل قیام کا سوال ہے کہ "یہ ایک خیالی خواب تھا"۔ اس سلسلہ میں صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ اس کا قیام بہر صورت مارکس کے معتقدین کے لئے ہر زمانے میں دردِ سر رہا ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ مفروضہ کہ انہوں (شیخ) نے عام مسلمانوں کو کبھی مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ صرف اعلیٰ طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص کو مخاطب کیا"[۲] تجزیہ طلب ہے۔

---

[۱] تزک جہانگیری۔ صـ ۲۷۳

[۲] ص ۲ ۱۹۶۰ء صـ ۲۱۴ پروفیسر عرفان حبیب کے نظریات سے متاثر ہوکر پروفیسر مجیب نے بھی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات پر اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔ "بلاشبہ (شیخ احمد سرہندی کے لئے) یہ ضروری تھا کہ مخصوص نوعیت کے القاب استعمال کئے جائیں۔ اور امراء کی مناسب وقت پر مناسب مقصد کے لئے مدح سرائی کی جائے۔ لیکن ان کی مدح سرائی زیادہ تر چاپلوسی کے حد تک پہونچ جاتی تھی اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی تبلیغ شریعت کی حیثیت دنیاوی مفاد میں تبدیل ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی کے مطابق پروفیسر مجیب کے تاثرات شیخ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ' ایک بے بنیاد الزام تراشی کے مترادف ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نہ تو ان القاب کا جو شیخ نے امراء کے لئے استعمال کئے تھے۔ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اور نہ تو ان قابل لحاظ دنیاوی مفاد کی وضاحت کرتے ہیں" اقتدار حسین صدیقی۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرائڈمان جس نے شیخ احمد سرہندی سے متعلق بنیادی ماخذ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ لکھتا ہے کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں جو ۵۳۶ مکتوبات کا مجموعہ ہیں ان میں دو سو اشخاص کو مخاطب کیا گیا ہے[4]۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ خط موصول کرنے والوں کی صرف ایک مختصر تعداد کا تعلق مغل حکام سے ہے۔ اور ان کو ستر سے زیادہ خطوط نہیں لکھے گئے ہیں[5] وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ تقریبا دو سو مخاطبین میں سے صرف ایک مختصر تعداد کی شناخت موجودہ دستیاب ماخذ کی مدد سے صحیح طور پر کی جاسکتی ہے[6] فرائڈمان اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دور حاضر کے مورخین نے مغل حکام کو لکھے گئے خطوط پر جس قدر توجہ مبذول کی ہے۔ وہ مکمل مجموعہ میں اپنی واقعی اہمیت کے اعتبار سے مبالغہ آمیز ہے[7]

جن مکتوبات کے صرف تیرہ فیصد ہی مغل حکام اور امرا کو لکھے گئے ہوں۔ اور بقیہ ۸۷ فیصد لوگ غیر درباری ہوں۔ اور جن دو سو مخاطبین میں صرف چند اشخاص ہی کی تاریخی شناخت ممکن ہو سکی ہو۔ ان مکتوبات کے متعلق یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے ان میں صرف اعلی طبقہ اور صاحب اقتدار اشخاص ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کو بھی مخاطب نہیں کیا گیا غیر اہم تاریخی نوعیت کے اشخاص جن کی شناخت نہ ہو سکی ان میں یقیناً عام مسلمان شامل ہوں گے۔

حاشیہ بقیہ صفحہ کا۔ MODERN WRITINGS ON ISLAM AND MUSLIMS IN INDIA INTERNATIONAL BOOK TRADERS ALIGARH 1973 P 60 پروفیسر مجیب کا حوالہ ان کی کتاب، THE INDIAN MUSLIMS سے ماخوذ ہے۔

۴ فرائیڈمان، شیخ احمد سرہندی، صفحہ ۲ ۵ ایضاً ۶ ایضاً صفحہ ۲ ۷ ایضاً صفحہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ احمد سرہندی عوامی راہنما تھے یا نہیں بحث کا محتاج ہے۔ کیونکہ عوامی راہنما کا جو تصور مارکس نواز پیش کرتے ہیں وہ خود انتہائی غیر واضح ہے۔ مارکسی نظریہ کے حامیوں کی مرتب کی ہوئی عوامی راہناؤں کی طویل فہرست میں خود مارکسی نظریہ کے علمبرداروں کے ہاتھوں گذشتہ بیس برسوں میں پے در پے جو شکست و ریخت اور ردوبدل واقع ہوا ہے۔ اس کے پیش نظر عوامی راہنما کی اصطلاح کی مارکسی تشریح کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔ دور حاضر کی اس اصطلاح کا اطلاق دور وسطیٰ پر کرنا بے محل ہوگا ہمارے پاس اس کی شہادت ہے کہ جہانگیر خود یہ اعتراف کرتا ہے کہ شیخ کے خلفاء ہر دیار اور ہر قریہ میں متعین ہیں[1] اور یہ کہ شیخ کی گرفتاری کے جواز میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "شورش عوام نیز فرو نشیند"[2] جس شخص کی گرفتاری عوامی شورش کو فرو کرنے کے لئے عمل میں لائی جائے اس کے متعلق کم از کم اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ اس کے افکار اور نظریات کا دائرہ عوام تک پہونچ چکا تھا۔ اور ان کے مکتوبات کی شہرت دربار کے حدود سے گذر کر عوام تک پہونچ چکی تھی۔ اور چونکہ شیخ کے خلفاء شہر شہر پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا رابطہ عوامی سطح پر قائم ہو چکا تھا۔ اگر پروفیسر موصوف جہانگیر کے اس اعتراف کو کسی جوابی دلیل سے رد کرنے کی کوشش کرتے تو طعن و ملامت کی وہ عبارت تزک جہانگیری کے اس حوالہ سے جہاں جہانگیر نے صد درجہ بے ادبی سے شیخ کی گرفتاری کا ذکر کیا ہے، اور جس کے ضمن میں ہی یہ، دونوں باتیں بھی تحریر کی ہیں۔ از خود مسمار ہو جاتی۔ لیکن پروفیسر موصوف اس نازک صورت حال سے دوچار ہونے کے لئے خود کو تیار نہ کر سکے۔ اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کر گئے۔

---

[1] ۔ تزک جہانگیری، صفحہ ۲۷۲۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دربار اکبری کے ایک اہم امیر شیخ فرید پر شیخ احمد سرہندی کے اثر کے بارے میں شبہ کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں۔ کیا شیخ احمد کا، شیخ فرید پر کوئی اثر تھا؟ کیا شیخ فرید بھی جہانگیر پر اسی طرح اثر انداز تھے؟ اور کیا جہانگیر نے اکبر کی (مذہبی) پالیسی ترک کر دی تھی؟ اس امر کا اس کے سوا کہ شیخ احمد نے شیخ فرید کو بہت سارے خطوط لکھے اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ شیخ فرید نے کبھی بھی شیخ احمد کا مشورہ قبول کیا ہو۔ ان مکتوبات کو ایک جلد میں جمع کر کے جبکہ شیخ فرید کا انتقال ہو چکا تھا ۱۶۱۷ء میں شائع کیا گیا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ شیخ فرید نے ان خطوط کو وصول بھی کیا ہو یا نہیں۔ یا کم از کم اسی شکل میں جس میں وہ (مکتوبات) ہمیں آج دستیاب ہیں۔ یہ یقین کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے اتنے بڑے عہدہ دار نے ایسے خطوط موصول کرنے کی ہمت کی ہو گی۔ جن میں بادشاہ وقت کے والد کے متعلق گستاخانہ کلمات استعمال کئے گئے ہوں گے برخلاف اس کے شیخ فرید اکبر کے لئے انتہائی جذبہ وفاداری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے الہداد فیضی، سرہندی کو عہد اکبری کی ایک تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا۔ جس میں اکبر کی تعریف کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ گو یہ تاریخ جس کا سلسلہ ۱۶۰۱ء تک رہا ہے۔ سرہند کے ایک باشندے نے لکھی ہے اور جس میں سرہند کے بہت سے علماء کا ذکر ملتا ہے لیکن شیخ احمد سرہندی کا ذکر ایک جگہ پر بھی نہیں کیا گیا[1]

مندرجہ بالا شبہات اور تاویلات کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹر محمد عمر نے اپنے ایک مقالہ میں سیر حاصل بحث کی ہے[2]

---

[1] PIHC 1960 صہ ۲۱۲ و صہ ۲۱۳، بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر موصوف درحقیقت مکتوبات کے استناد اور صداقت کو مجروح ومشتبہ کرنے کی ایک ناکام کوشش میں معروف ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کے افکار اور نظریات کے مطالعہ کے لئے مکتوبات ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر پروفیسر موصوف مکتوبات ہی کو مشتبہ کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو نظریات اور افکار از خود بے وقعت ہوجاتے۔ روایت یعنی مکتوبات کے درپردہ راوی شیخ احمد سرہندی کو جس طرح ملوث کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ وہ پروفیسر موصوف کی نظریاتی عصبیت کا ایک مزید ثبوت ہے۔

کوئی بھی صاف ذہن رکھنے والا مؤرخ اگر ان مکتوبات کا سرسری جائزہ لے، تو وہ یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ شیخ نے جن لوگوں کو خطوط لکھے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان خطوط کو وصول کیا بلکہ ان کے جوابات بھی دیئے۔ شیخ احمد سرہندی اپنے مخاطبین کو بشمول شیخ فرید بار بار یہ لکھتے ہیں۔ کہ آپ کا گرامی نامہ، محبت نامہ، رحمت نامہ موصول ہوا ہے مکتوبات کے ابتداء میں ان سوالات کا خلاصہ دیتے ہیں جو مکتوب الیہ نے دریافت کئے ہیں۔ اور اس کے بعد ان سوالات کا جواب سلسلہ وار دیتے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی ایسے دیندار شخص سے یہ بعید تھا کہ وہ ایسے مکتوبات کا

حاشیہ صفحہ ۵۶ کا ۔ ڈاکٹر محمد عمر SHAIKH FARID BUKHAN. S. RELATIONS WITH SOME OF THE CONTEM-PORERY ULAMA مقالہ انڈین ہسٹری کانگریس کے بھوبنیشور سیشن ۱۹۷۷ء میں پڑھا گیا تھا۔

۵ ایضاً صفحہ ۲۷ اور حاشیہ

۵ دیکھئے فرائیڈ مان۔ شیخ احمد سرہندی صفحہ ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر فریب تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے۔ کہ مخاطبین ان کے خطوط کو وصول کر کے ان کے جوابات بھی دے رہے ہیں۔

اس ضمن میں اقتدار عالم خاں صاحب کے مضمون کا حوالہ بھی بے محل نہ ہوگا، سیاست میں مذہب کی ایک نا قابل تسلیم اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ اسی رجحان (سیاست میں مذہب کی اہمیت) نے بعض پاکستانی مؤرخین کو اکسایا کہ وہ اکبر کی مبینہ اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف ایک قدامت پرستانہ ردعمل کو دریافت کریں۔ جس کی بنیاد ان چند خطوط پر رکھی گئی تھی جو راسخ العقیدہ مسلک کے ایک برہم نوجوان نے مختلف امراء کو لکھے تھے۔ جنہوں نے ان خطوط کو تسلیم کرنے کی بھی پرواہ نہیں کی[1]۔ اقتدار عالم خاں صاحب کی عبارت میں شیخ احمد سرہندی کے لئے مضمر جذبۂ حقارت کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ لیکن یہ کہہ دینا یہاں بے محل نہ ہوگا کہ خاں صاحب موصوف بھی اسی منبع علم سے سیراب ہوئے ہیں جس سے پروفیسر عرفان حبیب نے کسب فیض کیا ہے۔ اور یہ نکتہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دونوں ایک ہی سُر میں نغمہ سنج محض اس لئے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے افکار و کردار کا سائنٹفک تجزیہ کرنے والے مؤرخین کو فرقہ پرست کہنے کے ساتھ ساتھ ایک غیر ملکی نظریہ کا علمبردار ثابت کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مکتوبات کو مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش میں آخر مخاطبین کی ایک طویل فہرست سے پروفیسر موصوف کی نگاہ انتخاب صرف شیخ فرید ہی پر کیوں پڑی، شاید اس لئے کہ ان کا انتقال مکتوبات جلد اول کی اشاعت

---

[1] اقتدار عالم خاں MOTES ON THE CONCEPTION OF AKBARS RELIGIOUS POLICY - سیمینار اکتوبر ۱۹۷۶ء شملہ صفحہ ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶۱۷ء) سے قبل ہو چکا تھا۔ لیکن پروفیسر موصوف یہ بھول گئے کہ عزیز کوکہ اور عبدالرحیم خان خانخاناں کا انتقال بالترتیب ۱۶۲۴ء اور ۱۶۲۷ء میں ہوا۔

جب کہ مکتوبات کی تینوں جلدیں شائع ہو چکی تھیں[1] ان کے علاوہ جلد، اول کی اشاعت کے بعد اہم مکتوب الیہم کی ایک اچھی خاصی تعداد ابھی بقید حیات تھی۔ اور خود تزک جہانگیری کا سلسلۂ تحریر بھی جاری تھا۔ مگر کسی نے کبھی بھی ان مکتوبات کی صداقت یا حیثیت کی تردید نہیں کی حالانکہ اس دور میں بھی مخالفین کی کوئی کمی نہ تھی۔ اور اس انکشاف کے موجد ہونے کا سہرا پروفیسر موصوف کے سر نہ بندھ سکتا تھا۔

مکتوبات کی موجودہ شکل کے بارے میں پروفیسر موصوف کا شبہ محض بے بنیاد ہی نہیں ہے بلکہ سخت گمراہ کن بھی ہے۔ کیونکہ مکتوبات کے تمام نسخوں کے متن میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بہ فرض محال اگر کوئی فرق ہے تو پروفیسر موصوف اس کا کوئی ثبوت پیش کرنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ صرف شبہ ظاہر کر دینے سے مکتوبات کو مشتبہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بے بنیاد شبہ خاص مسلکی اور وقتی مصالح کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے کیونکہ مکتوبات کی حیثیت اور صداقت کو تسلیم کرنے کی صورت میں پروفیسر موصوف کے پاس بہت سارے بے بنیاد سوالات اور شیخ احمد سرہندی پر الزام تراشی کی گنجائش باقی نہ رہ پاتی۔

---

[1] ڈاکٹر محمد عمر، حوالہ سابقہ ص ۲۱ و ص ۲۳

© rasailojaraid.com